نمونہ آگئی۔ میں نے پچاس جلدوں کی درخواست پہلے سے دی رکھی ہے۔ اب پچاس روپیے بھیجوں تو انچاس جلدیں منگاؤں۔ دیکھیے نو من تیل کب میسر ہو اور رادھا کب ناچے۔

میاں، کل شام کو میر سرفراز حسین میرے گھر نہیں آتے یا تو الور کو، مجھ سے بغیر رخصت ہوئے گئے یا نہیں گئے۔ میں تو آج جمعہ سولہ مئی صبح کے وقت یہ خط ڈاک میں بھیجتا ہوں۔

جمعہ ۱۵ ذیقعدہ و مئی باہم ۱۲۷۸ھ نجات کا طالب غالب

۱۶ مئی ۱۸۶۲ء[1]

(۴۰)

سید صاحب!

اچھا ڈھکوسلا[2] نکالا ہے، بعد القاب کے شکوہ شروع کر دینا اور میرن صاحب کو اپنا ہم زبان کر لینا۔ میں میر مہدی نہیں کہ میرن صاحب پر مرتا ہوں۔ میر سرفراز حسین نہیں کہ ان کو پیار کرتا ہوں علی کا غلام اور سادات کا معتقد ہوں[3]، اُس میں تم بھی آ گئے۔ کمال ہے کہ میرن صاحب سے محبتِ قدیم ہے، دوست ہوں، عاشقِ زار نہیں۔ بندۂ مہر و وفا ہوں، گرفتار نہیں۔

تمھارے بھائی نے سخت مشوش بلکہ نعل در آتش کر رکھا ہے۔ ایک سلام اصلاح کے واسطے بھیجا اور لکھا کہ بعد محرم[4] کے میں بھی آؤں گا۔ میں نے سلام رہنے دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں بھیجوں، وہ آئیں گے تو یہیں اُن کو دے[5] دوں گا۔ محرم تمام ہوا۔ آج سہ شنبہ، غرۂ صفر ہے۔ حضرت کا پتا نہیں۔ ظاہرا برسات نے آنے نہ دیا۔

برسات کا نام آ گیا، سو[6] پہلے مجملاً سنو۔ ایک غدر کالوں کا، ایک ہنگامہ گوروں کا، ایک فتنہ انہدامِ مکانات کا، ایک آفت وبا کی۔ ایک مصیبت کال کی۔ اب یہ برسات جمیع حالات کی جامع ہے۔ آج اکیسواں دن ہے۔ آفتاب اس طرح گاہ[7] گاہ نظر آ جاتا ہے جس طرح بجلی چمک جاتی ہے۔ رات کو کبھی کبھی اگر تارے[8] دکھائی دیتے ہیں تو لوگ اُن کو جگنو[9] سمجھ لیتے ہیں۔ اندھیری راتوں میں چوروں کی بن آئی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ دو چار گھر[10] کی چوری کا حال نہ سنا جائے۔ مبالغہ نہ سمجھنا

ہزار ہا مکان گر گئے۔ سینکڑوں آدمی جا بہ جا دب کر مر گئے۔ گلی گلی ندی بہہ رہی ہے۔ قصہ مختصر وہ اَن کال تھا کہ مینھ نہ برسا۔ اناج[1] نہ پیدا ہوا۔ یہ پن کال ہے۔ پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہہ گئے۔ جنھوں نے ابھی نہیں بویا تھا، وہ بونے سے رہ گئے۔ سُن لیا دلّی کا حال؟ اِس کے سوا کوئی نئی بات نہیں ہے۔

جناب میرن صاحب کو دعا۔ زیادہ کیا لکھوں۔

سہ شنبہ یکم صفر ۱۲۷۹ھ۔ ۲۹ جولائی سال رستاخیز ۱۸۶۲ء[2]

(۴۱)

واہ حضرت[3]!

کیا خط لکھا ہے؟ اِس خرافات کے لکھنے کا فائدہ؟ بات اتنی ہی ہے کہ میرا پلنگ مجھ کو ملا، میرا بچھونا مجھ کو ملا، میرا حجام مجھ کو ملا۔ میرا بیت الخلا مجھ کو ملا۔ رات کا وہ شور، کوئی آئیو، کوئی آئیو، فرو ہو گیا۔ میری جان بچی، میرے آدمیوں کی جان بچی: اکنوں شبِ من شب است و روزم روز است۔

بھئی، تم نے یہ نہ لکھا کہ میرن صاحب کو میرا خط پہنچا یا نہ پہنچا۔ میں گمان کرتا ہوں کہ نہیں پہنچا، اگر پہنچتا تو بے شک وہ تمھاری نظر سے گزرتا اور میرن صاحب اس کی اصل حقیقت تم سے پوچھتے اور اس صورت میں یہ بھی ضرور تھا کہ تم اس واہیات کے بدلے مجھ کو وہ روداد لکھتے جو میرن صاحب میں اور تم میں پیش آئی۔ پس اگر جیسا کہ میرا گمان ہے۔ خط نہیں پہنچا، تو خیر جانے دو۔ اگر خط پہنچا ہے تو میرن صاحب کے خط کے۔ جواب لکھوانے میں تم نے میرا دم ناک میں کر دیا تھا۔ اب اُن سے میرے خط کے جواب کا تقاضا کیوں نہیں کرتے؟ حسن بھی کیا چیز ہے۔ نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم اُن سے خواہشِ وصال کرتے ہوئے ڈرو[6]، میرے خط کے جواب کے باب میں کیوں نہیں کہتے؟ نہ صاحب یہ کچھ بات نہیں۔ میرے خط کا جواب اُن سے لکھوا کر بھجواؤ۔

یہاں کا حال وہ ہے جو دیکھ گئے ہو۔ پانی گرم، ہوا گرم، تپیں مستولی، اناج مہنگا۔